خطبۂ تبوک

(آخری قسط)

عبدالقدوس ہاشمی

(۳۷) و شر الرویا الکذب   اور بہت ہی برا خواب ہے جھوٹا خواب

خواب کی حقیقت پر اگر امام ابن سیرین، عبدالغنی نابلسی اور جدید علماء نفسیات فرایڈ وایڈلر وغیرہ کے اقوال کو سامنے رکھ کر بحث کی جائے تو بات بڑی طولانی ہو جائے گی اور حقیقۃً اس کی یہاں ضرورت بھی نہیں ہے ۔ آدمی جو کچھ نیند میں دیکھتا ہے اسے خواب کہتے ہیں ۔ اس کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں ، خوشخبری یا بشارت، تخویف، اور تحدیث نفسی وغیرہ وغیرہ ۔

اس فقرہ میں خواب کی حقیقت یا اس کی قسموں کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا ہے ۔ اس میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو محض جھوٹے خواب بنا کر بیان کرتے ہیں حالانکہ انھوں نے نیند میں کچھ بھی نہیں دیکھا ہے ۔ ایسے لوگ ہر زمانہ اور ہر ملک میں ہوتے ہیں جو اپنی بزرگی جتانے اور اپنے آپ کو صاحب باطن ظاہر کرنے کے لئے جھوٹے خواب تصنیف فرمایا کرتے ہیں ۔ اگر کہیں اتفاقاً ان کا یہ جھوٹ کسی شکل میں سچ ہوکر ظاہر ہوگیا تو پھر اپنی بزرگی اور روشن ضمیری کا اشتہار دیتے ہیں ۔ اور اگر یہ جھوٹ جھوٹ ہی رہا کچھ بھی ظاہر نہ ہوا تو پھر طرح طرح کی دور از قیاس و وہم تاویلیں کرکے لوگوں کو مطمئن کرنے کی سعی کرتے ہیں ۔

ہمارے اس زمانہ میں بھی ایسے حضرات کی کوئی کمی نہیں ہے ۔ بعضوں نے تو جھوٹے خوابوں کے ذریعہ صرف اپنی بزرگی اور صفائی باطن ثابت

کرنے ہی پر اکتفاء کی ہے اور بعض حوصلہ مند تو اس طرح کی ابلہ فریبی سے اپنی مہدویت اور نبوت تک ثابت کر لیتے ہیں۔ حالانکہ جھوٹے خواب تو جھوٹے ہی ہیں ۔ خواب اگر سچا بھی ہو تو کوئی قابل اعتماد ذریعہ علم نہیں، نہ شریعت میں قابل قبول ہے، نہ قانون میں نہ تجربہ اس کی تصدیق کرتا ہے اور نہ عقل سلیم ۔

(۳۸) وکل ماھوآت قریب — اور جو کچھ آنے والا ہے وہ قریب ہے

یہ ایک کلیہ ہے کہ جو وقت آنے والا ہی ہے اسے قریب ہی سمجھ کر اس کے لئے تیار ہوجانا دانائی ہے ۔ اور اسے بعید سمجھ کر غافل رہنا حد درجہ کی نادانی ۔ مثلاً یہ سب کو معلوم ہے کہ بارشوں کے دن آئیں گے، اگر کسی نے بارش کو بہت دور سمجھ کر اپنی ٹوٹی ہوئی چھت کو درست کرنے سے غفلت برتی تو کوئی دانائی کا کام نہیں کیا ۔ ایک دن یکایک بارش آجائے گی اور اسے بڑی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اسی طرح سردی، گرمی، دن، رات کے آنے پر غور کر لیجئے ۔

اگر دنیا کا یہی حال ہے تو اس بے عقل اور احمق کی حالت کس قدر قابل رحم ہے جو موت جیسی یقینی بات کو قریب نہ سمجھے، غفلت میں پڑا رہے اور اس کے لئے کوئی تیاری نہ کرے ۔ اس فقرہ میں موت اور ما بعد الموت کی طرف اشارہ ہے ۔ ہماری حماقت و نادانی بھی کس درجہ کی نادانی ہے ۔ روزانہ لوگوں کو مرتے دیکھتے ہیں، اور یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ یہ وقت ہم پر بھی آنے والا ہے اور ضرور آنے والا ہے ۔ لیکن حماقت سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہماری موت بہت دور ہے، قریب نہیں ہے اس نادانی سے غفلت پیدا ہوگئی ہے اور موت و مابعد الموت کی طرف سے ہم خود فراموشی میں مبتلاء ہیں ۔ سب طرح کے سامان کرتے ہیں مگر موت اور قیامت کے لئے کچھ نہیں کرتے ۔

آگاہ اپنے حال سے کوئی بشر نہیں	سامان سو برس کے ھیں کل کی خبر نہیں
(۳۹) وسباب المومن فسوق	کسی صاحب ایمان کو گالی دینا فسق ھے
(۴۰) وقتاله کفر	اور اس سے جنگ کرنا کفر ھے
(۴۱) واکل لحمه من معصیةالله	اور اس کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) اللہ تعالی کی نافرمانیوں میں سے ھے
(۴۲) وحرمة ماله کحرمة دمه	اور اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کے برابر ھے (یعنی اسے بغیر حق قتل کرنا جایز نہیں تو بغیر حق اس کا مال لینا بھی جائز نہیں ھے)

ان چاروں فقروں کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رھنے اور خوشگوار زندگی بسر کرنے سے ھے اس لئے ایک ساتھ ھی انھیں نقل کردیا ھے۔

ان چار فقروں میں چار بری باتوں کے خلاف تنبیه کی گئی ھے۔

(۱) سباب۔ یعنی گالی دینا

(۲) قتال۔ یعنی جنگ کرنا (ایک کا دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش کرنا)

(۳) غیبت کرنا (آدمی کا گوشت کھانا کسی کی غیبت کرنے کو کہا جاتا ھے)

(۴) ناجائز طور پر کسی کے مال پر قبضه کرلینا۔

ارشاد نبوی میں مومن کا لفظ ان بری باتوں میں برائی کی شدت ظاھر

کرنے کے لئے آیا ہے - جیسے ہم اپنے کسی بچہ کو کہتے ہیں کہ اپنی چھوٹی بہن کو مارو نہیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جو تمہاری بہن نہیں ہے اسے مارو- فعل کی برائی کو شدید ظاہر کرنے کے لئے اپنی چھوٹی بہن کا اضافہ کردیا جاتا ہے - بالکل اسی طرح مندرجہ بالا فقروں میں برائی کی شدت ظاہر کرنے کے لئے المومن کا لفظ آیا ہے - ورنہ کافر کو بھی گالی دینا، اس سے ناحق جنگ و قتال کرنا، اس کی غیبت کرنا، یا اس کے مال پر ناجائز قبضہ کرنا گناہ ہے اور اس کو اسلامی شریعت میں جرم قرار دیا گیا ہے -

ان چاروں فقروں کو یاد کرکے جب ہم اپنی زندگی کو دیکھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہمارا کوئی رشتہ تعلیمات نبوی سے اب باقی نہیں رہ گیا ہے - ہم ان چاروں برائیوں میں بری طرح مبتلاء ہیں -

(٣٣) ومن یتالی علی‌اللہ یکذبہ اور جو اللہ کی قسم کھاتا ہے اللہ اس
اس کو جھٹلا دیتا ہے

قسم کا مطلب یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنے قول کی صداقت پر اللہ تعالی کو شاہد قرار دیتا ہے - جب کسی خاص موقع پر اس کی ضرورت ہی لاحق ہو تو قسم کھائی جا سکتی ہے لیکن بعض لوگ بے ضرورت اور بے فائدہ قسم کھاتے رہتے ہیں - اور چونکہ وہ ہمیشہ قسم کھایا کرتے ہیں اس لئے اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی قسم میں جھوٹے بھی ثابت ہوتے ہیں - خصوصاً وہ لوگ اکثر جھوٹے ثابت ہوتے ہیں جو مستقبل کے معاملات میں قسم کھالیتے ہیں - کیونکہ مستقبل کی صورت کیا ہوگی یہ کسی کو معلوم نہیں - اکثر ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ قسم کھانے والا پوری کوشش کے باوجود جھوٹا ثابت ہوتا ہے - اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ماضی کے معاملہ پر بھی بغیر شدید ضرورت کے قسم نہ کھائی جائے - اور مستقبل کے متعلق تو کبھی کوئی قسم نہیں کھانی چاہئے کہ اس میں جھوٹے ثابت ہونے کے

دید خطرات کے علاوہ اور بہت سے گناہوں کی گنجایش موجود ہے، مثلاً وعدہ خلافی، رسوائی وغیرہ۔

(۴۴) و من یغفر یغفرلہ — اور جو بخش دیتا ہے اسے بخش دیا جائے گا۔

(۴۵) و من یعف یعف اللہ عنہ — اور جو معاف کردیتا ہے، اللہ تعالی اسے معاف کردے گا۔

(۴۶) ومن یکظم الغیظ یاجرہ اللہ — اور جو غصہ پی جاتا ہے اللہ تعالی اسے اجر دے گا

(۴۷) و من یصبر علی الرزیہ یعوضہ اللہ — اور جو حق تلفی پر صبر کرتا ہے اللہ تعالی اسے معاوضہ دے گا

(۴۸) و من یتبع السمعۃ یسمعہ اللہ — اور جو شہرت کے پیچھے پڑجاتا ہے اللہ تعالی اس کو بدنام کر دیتا ہے

(۴۹) و من یتصبر یضعف اللہ لہ — اور جو بمقابلۂ نقصان ثابت قدم رہتا ہے اللہ تعالی اس کو دوگونہ عطا فرماتا ہے

(۵۰) و من یعص اللہ یعذبہ — اور جو اللہ تعالی کی نافرمانی کرتا ہے اللہ اس کو عذاب میں ڈالے گا

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار استغفراللہ کہا اور خطبہ ختم کردیا

یہ ساتوں آخری فقرات کو ایک ساتھ ہی لکھ دیا گیا تاکہ ایک ساتھ ان کی مختصر تشریح کردی جائے۔ لیکن بہتر ہوگا کہ ان سات فقروں پر غور

کرنے سے پہلے حسب ذیل سطور پر بھی غور کرلیا جائے تاکہ ان سے صحیح فائدہ اٹھا یا جا سکے۔

انسانی زندگی ایک غیر منقطع تسلسل کے ساتھ ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتی ہوئی مقام لازوال تک پہنچے گی۔ یہ موت کے ساتھ ختم نہیں ہوجاتی ہے اور نہ پیدائش سے شروع ہوتی ہے اس کی ابتداء اس وقت ہوئی تھی جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تھا۔ اور ان کی ساری اولاد کو حاضر کرکے الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کا سوال کیا تھا۔ اور سب نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ اب اس کے بعد سے اس دنیا میں پیدا ہونے تک انسان جس عالم میں رہتا ہے، اسے مختلف لوگوں نے مختلف نام عطا کئے ہیں۔ بعض اسے عالم مثال سے موسوم کرتے ہیں اور بعض اسے عالم اقرار یا مرحلۂ اول قرار دیتے ہیں۔ دوسرا عالم یہ دنیا ہے جہاں انسان پیدائش کے ذریعہ تدریجی طور پر داخل ہوتا ہے، یہ عالم شہادت یا عالم تخلیق یعنی مرحلۂ دوم ہوا۔ تیسرا عالم برزخ ہے جہاں انسان موت کے ذریعے تدریجی طور پر داخل ہوتا ہے۔ یہ عالم برزخ یا عالم حجاب کہلاتا ہے۔ یہ مرحلہ سوم ہوا۔ چوتھا عالم عالم قیامت ہے جہاں سارے ہی انسان بہ یک وقت داخل ہوجائیں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے مرحلۂ اول میں سارے ہی انسان بہ یک وقت پیدا کردئیے گئے تھے۔ یہ مرحلۂ چہارم ہے، اور یہ مقام لازوال ہے۔ جنت یا دوزخ میں کسی کو موت نہیں آئے گی اور نہ اس عالم سے کسی دوسرے عالم میں منتقل ہونا پڑے گا۔

ان چاروں عوالم یعنی مثال، شہادت، برزخ اور قیامت میں انسان کی کیفیت اور اس کے قویٰ مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے ان چاروں عوالم میں انسان کے کام اور زندگی کے اعمال بھی مختلف ہوتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہوگا کہ ہم اپنی موجودہ یعنی عالم شہادت کی زندگی پر باقی تین مرحلوں کو

پاس کرلیں۔ بلکہ صحیح طریقہ ان کے معلوم کرنے کا یہ ہے کہ خدا نے
س کو خبر دی ہو، اس سے پوچھیں۔ یہی طریقہ فطری اور حقیقی ہے۔

ہر شخص خود اپنی ذات پر اچھی طرح غور کرے، یہ حقیقت کھل کر
امنے آجائے گی کہ ہمارے پاس علم کے ذرایع صرف تین ہیں اول خبر، دوم
ستدلال، سوم مشاہدہ۔ ان میں سے سب سے زیادہ وسیع ذریعہ علم خبر ہے۔
م جو کچھ جانتے ہیں اس کا تقریباً ۹۳ فیصد خبر کے ذریعہ حاصل شدہ علم ہے۔
ان باپ کی دی ہوئی خبریں، استاذ اور احباب کی دی ہوئی خبریں، ڈاکٹروں
الموں اور ماہرین کی دی ہوئی خبریں ہی وہ ذرایع ہیں جن میں سے ہم
نتوں ناطوں کا، علوم و فنون کا، صحت و سقم کا اور عام حالات کا علم حاصل
رتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں اس طرح حاصل شدہ علم سے یقین پیدا ہوتا ہے
ر ہم اسی پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ماں باپ کی دی ہوئی خبروں پر یقین
کھتے ہیں۔ بھائی کو بھائی، بہن کو بہن اور چچا کو چچا مانتے ہیں۔
ں بارے میں ہمارا یقین اتنا محکم ہوتا ہے کہ شک اس کے قریب نہیں آتا۔
ی طرح اساتذہ کی دی ہوئی خبروں، ڈاکٹروں اور عالموں کی دی ہوئی خبروں
ے بھی ہمیں علم اور یقین حاصل ہوجاتا ہے۔

اگر عملی زندگی میں ہمارا یہی حال ہے اور یقیناً یہی حال ہے تو یہ کتنی
ی حماقت ہوگی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبروں سے
لم اور یقین حاصل نہ کرسکیں حالانکہ وہ انسانی اعمال اور اس کے اخروی
ایج کی جو خبر دیتے ہیں وہ انہیں نہ صرف وحی الہی کے ذریعہ حاصل ہوئی
ے بلکہ معراج میں اللہ تعالی نے ان کو اس کا مشاہدہ بھی کرا دیا ہے تاکہ
، عینی شاہد کی حیثیت سے دنیا کو خبر دیں۔ اور ان کے صادق امین ہونے
ا اقرار دوست تو دوست ان کے شدید دشمنوں نے بھی ہمیشہ کیا ہے۔ اب
ں شخص کی حماقت و نادانی کو کیا کہیے جو کسی ڈاکٹر کے کہنے سے

زھریلی اور تلخ دوا تو کھا لیتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ یہ دوا اس کے لئے مفید ثابت ہوگی مگر اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل میں عمل صالح نہیں اختیار کرتا۔ اور اسے اس کا یقین نہیں حاصل ہوتا کہ یہ عمل اس کے لئے دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ مفید ثابت ہوگا۔

یہ یقین پیدا ہونے کے بعد کہ یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جنھیں نتایج اعمال کی اطلاع نہ صرف بذریعہ وحی و نبوت دی گئی ہے بلکہ آپ نے ان نتایج کا مشاھدہ شب معراج میں خود اپنی آنکھوں سے بھی کیا ہے اور جن کی صداقت پر دوست، دشمن بلکہ آسمان و زمین گواہ ھیں۔ اب مندرجہ بالا ساتوں فقروں پر غور کیجئے۔

(۱) پہلے فقرہ میں خبر دی گئی ہے کہ جو دوسروں کے قصور کو بخش دیتا ہے اللہ تعالی اس کے قصور کو بھی بخش دے گا۔ عربی زبان میں غفر کے معنی ھیں چھپا دینا اور سزا سے بری کردینا۔ اسے ہم اردو میں بخش دینے سے ادا کرتے ھیں۔ اگر ہم لوگوں کی کوتاھیوں اور قصوروں کو چھپادیں اور ان کو سزا دینے کے پیچھے نہ پڑجائیں تو ھمیں اللہ تعالی کی طرف سے اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی یہ صلہ ملے گا کہ ھمارے قصوروں کو بھی اللہ غفور و رحیم چھپا دے گا اور ھمیں سزا سے بری کردے گا۔ ذرا خود اپنی حالت پر غور کریں ،ہم دوسروں کے قصور کا اعلان کرنے اور اس کو سزا دینے کے لئے تو ھمیشہ ھی تیار رھتے ھیں۔ لیکن کبھی یہ نہیں دیکھتے کہ خود ہم بھی تو قصوروار ھیں، اگر ھمارے ساتھ بھی ایسا ھی معاملہ دنیا و آخرت میں کیا جائے تو ھمارا کیا حال ہوگا۔

(۲) دوسرے فقرہ میں خبر دی گئی ہے کہ جو معاف کردیتا ہے، اللہ تعالی اسے معاف کردے گا۔ عربی میں عفو کے متعدد و متضاد معنی ھیں۔ ان میں سے ایک معنی ہے نشان کا مٹا دینا۔ یہاں یہی معنی مقصود ہے۔ اگر

ئی شخص دوسرے کے ساتھ یہ سلوک کرے گا کہ اس کی خطا کا نشان دے گا تو اللہ تعالی بھی اس کی خطاؤں کے اثرات کو مٹا دے گا۔

(۳) تیسرے فقرہ میں خبر دی گئی ہے کہ جو شخص اپنے غصہ کو جاتا ہے، اللہ تعالی اس کو اس عمل صالح کا اجر یعنی مزدوری عطا فرمائے گا۔ ا یہ عمل اللہ کی ہدایت پر ایک عبادت ہوئی اور اللہ تعالی کے نزدیک اپنے مہ پر قابو رکھنے والا اور غصہ کو پی جانے والا مستحق اجر قرار پایا۔ تعالی اس عامل کو کیا اجر عطا فرمائے گا۔ اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ ن مجید کی ایک آیت میں غصہ کو پی جانے والے اور قصور معاف کردینے ے کو اللہ تعالی نے محسن (احسان کرنے والا نیکوکار) قرار دے کر اپنی ندیدگی اور محبت کا مقام عطا فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ و العافین عن الناس واللہ یحب المحسنین (آیت نمبر ۱۳۴ سورۃ آل عمران)	ایسے لوگ جو خرچ کرتے ہیں، فراغت میں اور تنگی میں اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کردینے والے۔ اور اللہ تعالی احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

قادر مطلق جس کے قبضہ میں سب کچھ ہے جس شخص کو پسند کرے اور اس سے محبت فرمائے گا تو اسے کیا کچھ نعمتیں عطا کرے گا، اس کا دازہ کون لگا سکتا ہے۔

(۴) چوتھے فقرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری ی ہے کہ جو شخص حق تلفی پر صبر کرلیتا ہے اللہ تعالی اس کو اپنی طرف ے معاوضہ دے گا۔ عدل و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کو اللہ کی طرف ے معاوضہ ملے اور اس کے حق سے بہت زیادہ ملے۔

(۵) پانچویں فقرہ میں یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ جو شخص اپنی شہرت و ناموری کے پیچھے لگا رہتا ہے، اللہ تعالی اسے رسوا اور بدنام کردیتا ہے۔ اس فقرہ میں غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شہرت کی خواہش اگرچہ اپنی جگہ پر ایک بری خواہش ہے لیکن رسوائی اور بدنامی سزا ہے شہرت طلبی اور اس کے پیچھے لگ جانے کی، شہرت کی خواہش کی نہیں ہے۔

آدمی شہرت طلبی کے پیچھے پڑ کر کس طرح اپنی زندگی کو برباد کرتا ہے، اس کے نمونے آپ کو اپنے معاصرین اور خصوصیت کے ساتھ پیشوائی و قیادت کے دعویداروں میں بہ کثرت مل جائیں گے۔ یہ دون فطرت اور کمینے مرشدین، مقتدایان اور قائدین ہر وقت اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ انہیں شہرت حاصل ہو۔ ان کی ذہنیتیں اس قدر پست ہوجاتی ہیں کہ ان کے اقوال کا معیار عوام کی طرف سے پسندیدگی اور ناپسندیدگی بن جاتا ہے۔ وہ اپنے کسی قول یا عمل سے پہلے یہ کبھی نہیں سوچتے کہ اللہ تعالی کی رضا بھی اس میں ہے یا نہیں ہے بلکہ وہ یہ سوچتے ہیں کہ عوام اسے پسند کریں گے یا نا پسند۔ اس طرح وہ اللہ کے خوف سے روز بہ روز عاری ہوتے رہتے ہیں اور ان کے قلوب غیر اللہ بلکہ بندوں کے خوف سے بھرتے جاتے ہیں۔ یہ لوگ قیامت کے دن حساب کا خیال دل سے محو کرکے اس کی جگہ انتخاب کے دن کو دے دیتے ہیں۔ وہ نیکی کے بیسوں کام کرتے ہیں لیکن ان سے مقصود اللہ تعالی کی رضا نہیں بلکہ اپنی شہرت و ناموری ہوتی ہے۔

شہرت کی خواہش آدمی کی ایک ذہنی کمزوری ہے لیکن شہرت طلبی کے پیچھے لگ جانا تو اکثر صورتوں میں آدمی کو نفاق کے پست مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالی کی طرف سے اس کی سزا رسوائی اور بدنامی مقرر ہے، بہت سے لوگوں کو تو اسی دنیا میں رسوائی اور بدنامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا بڑی بے وفا ہے، اس نے کسی سے وفا نہیں کی ہے۔

بعض وہ شہرت طلب لوگ ہوتے ہیں جن کی رسوائی و بدنامی کا دور شروع ہونے سے پہلے ہی موت آکر ان کی بساط شہرت کو الٹ دیتی ہے۔ بہرحال دونوں اقسام کے طالبان شہرت کو قیامت کے بھرے میدان میں رسوائی بدنامی کی سزا سے گذرنا ہی پڑے گا۔ اس لئے کہ طلب شہرت کے پیچھے جانے والوں کی سزا اللہ تعالی کی طرف سے یہی مقرر ہے

اے هنرها نهاده برکف دست عیب ها را نهفته زیر بغل

لوگوں کا بھی عجیب حال ہے ہتیلی پر رکھ کر اپنے ہنر دکھاتے پھرتے ہیں اور اپنے عیب کو بغل میں چھپائے رہتے ہیں۔

(۶) چھٹے فقروں میں بتایا گیا ہے۔ کہ جو شخص اپنے کسی نقصان پر صبر کرتا ہے، یعنی اس پر واویلا نہیں کرتا، دل پر جبر کرکے برداشت کرلیتا ہے خدا کا شکوہ نہیں کرتا تو اللہ تعالی اسے ضایع شدہ نعمت سے دوگونہ نعمت عطا فرماتا ہے۔ یہ ہماری بڑی کمزوری اور ناشکری ہے کہ اپنے ذرا سے نقصان واویلا کرنے لگتے ہیں اور خدا کا شکوہ اس طرح کرتے ہیں جیسے خدانے کبھی ہمیں کچھ نہ دیا ہو۔ اب تک جو جو نعمتیں خدا نے عطا فرمائی ہیں، سب کو بالائے طاق رکھ کر ذرا سے نقصان پر اللہ تعالی کی شکایت کرنا بڑی کم ظرفی اور احسان فراموشی ہے۔ ایک بندۂ مومن کو ایسے مواقع پر صبر اختیار کرنے سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں، ایک تو یہی کہ اللہ تعالی اس کو دوگونا عطا فرماتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ اسے دلی سکون اطمینان کی نعمت حاصل ہوجاتی ہے۔ پھر یہ بندۂ مومن اللہ کی رضا کے اس مقام پر فائز ہوجاتا ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں ہے۔

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ	اللہ تعالی ان سے راضی ہوگیا اور
(آیت نمبر ۸ سورۃ البینۃ)	اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے

(۷) ساتویں اور آخری فقرہ میں ایک ساتھ ہی تنبیہ بھی ہے اور بشارت

بھی ۔ تنبیہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی نافرمانی کرکے یہ سمجھنا کہ اس کے عذاب سے چھوٹ جائیں گے۔ صحیح نہیں ۔ البتہ بھول چوک، بے خیالی اور غفلت سے جو قصور سرزد ہوجائے وہ توبہ و ندامت سے معاف ہوجائے گا اور اللہ تعالی اس پر عذاب نہیں دے گا۔ شاید یہی بات سمجھانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آخری فقرہ پر خطبہ کو ختم فرماتے ہوئے تین بار استغفراللہ کہا ۔ جن کو اگلے پچھلے سارے ہی گناہوں کے بخشش دئے جانے کی خبر دی جاچکی تھی ، ان کا بہ کثرت استغفراللہ کہنا اور بخشش کی دعا کرنا تعلیم و تاکید کے سوا اور کس مقصد کے لئے ہوسکتا ہے ؟

حوالہ : اصل خطبہ تبوک

زادالمعاد فی ہدی خیر العباد مصنفہ امام شمس‌الدین محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ " المتوفی ۷۵۱ھ مطبوعہ المطبعۃ " المیمنیۃ ، القاہرہ، ۱۳۲۴ھ ج ۲ ص ۷ ۔